پہلا

"بابائے اُردو یادگار لیکچر"

(۱۹۸۰ء)

محمد تقی میر

از

ڈاکٹر جمیل جالبی

پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی۔ ۱

COLUMBIA UNIVERSITY
THE LIBRARIES
IN THE CITY OF NEW YORK
LEHMAN LIBRARY

P-U-81-931031
Provided by the
Library of Congress
PL 480 Program

انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی

پہلا

بابائے اردو یادگار لیکچر

۲۹ اگست ۱۹۸۰ء

پہلا

"بابائے اُردو یادگار لیکچر"

(۱۹۸۰ء)

محمد تقی میر

از

ڈاکٹر جمیل جالبی
پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ، کراچی ۱

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو پاکستان ۴۳۲

طبع اول ——— ۱۹۸۱ء

تعداد ——— ۵۰۰

قیمت ——— پچیس ۲۵/ روپے

کتابت ——— سید رفیع الحسن

ناشر ——— انجمن ترقی اردو پاکستان
کراچی ۱

ڈاکٹر جمیل جالبی

پیدائش: ۱۲؍جون ۱۹۲۹ء

تعلیم: (ایم اے ایل ایل بی) پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

۱۹۵۰ - ۱۹۵۳ء ماہنامہ ساقی، کراچی کے معاون مدیر رہے۔

۱۹۵۵ء میں کراچی سے سہ ماہی نیا دور، جاری کیا۔

۱۹۵۹ء میں ادیبوں کی بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ فرینکفرٹ میں پاکستان کی نمائندگی کی۔

۱۹۶۲ء میں پیرس میں اُردو زبان و ادب پر لیکچر دیئے۔

۱۹۶۵ء میں امریکہ میں پاکستانی کلچر اور اردو زبان و ادب پر لیکچر دیئے۔

۱۹۷۷ء میں جشنِ اقبال صدی، کے سیمینار نئی دہلی میں شرکت کی۔

۱۹۸۰ء میں پہلا "بابائے اردو یادگار لیکچر" دیا۔

انعامات: ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۵ء میں داؤد ادبی انعام ملے۔

چند دوسرے کوائف: رکن مجلس نظماء، اعزازی خازن انجمن ترقی اردو پاکستان۔
ممبر بورڈ آف گورنرز، پاکستان کونسل آف نیشنل آرٹس، وزارتِ تعلیم اسلام آباد۔

ممبر، حصولِ نوادرات کمیٹی، محکمہ آثارِ قدیمہ و قومی عجائب خانہ کراچی
رکن، مجلسِ مشاورت شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی
ممتحن، پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی و سندھ یونیورسٹی وغیرہ
پروجیکٹ ڈائریکٹر (اعزازی) لائبریری ایڈوائزری کمیٹی کے ایم سی کراچی

پاکستان و بیرونِ پاکستان قومی و بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کی۔

کتابیں:

۱	جانورستان	۱۹۵۸
۲	ایلیٹ کے مضامین	۱۹۶۰
۳	حاجی بغلول (مرتبہ)	۱۹۶۲
۴	پاکستانی کلچر: قومی کلچر کی تشکیل کا مسئلہ	۱۹۶۵
۵	تنقید اور تجربہ	۱۹۶۷
۶	دیوانِ حسن شوقی	۱۹۷۲
۷	دیوانِ نصرتی	۱۹۷۳
۸	مثنوی نظامی دکنی (مثنوی کدم راؤ پدم راؤ)	۱۹۷۳
۹	قدیم اردو کی لغت	۱۹۷۴
۱۰	ارسطو سے ایلیٹ تک	۱۹۷۵
۱۱	تاریخِ ادبِ اردو (جلد اول)	۱۹۷۵
۱۲	تاریخِ ادبِ اردو (جلد دوم)	۱۹۸۱
۱۳	تاریخِ ادبِ اردو جلد سوم (زیرِ تصنیف)	
۱۴	تاریخِ ادبِ اردو جلد چہارم (زیرِ تصنیف)	
۱۵	ادب، کلچر اور مسائل (زیرِ طبع)	
۱۶	نئی تنقید کا منصب (زیرِ طبع)	

ترتیب

خطبۂ صدر: اختر حسین، صدر انجمن ترقی اردو پاکستان ۸

بابائے اردو یادگار لیکچر: ڈاکٹر جمیل جالبی

پہلا لیکچر

محمد تقی میر: حیات، سیرت اور تصانیف ۱۵

دوسرا لیکچر

محمد تقی میر: مطالعۂ شاعری ۸۹

خطبۂ صدر

جناب اختر حسین (صدر انجمن ترقی اردو پاکستان)

خواتین و حضرات!

آج بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کو رحلت کئے اُنیس سال ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے مولوی صاحب کی برسی کے موقع پر باقاعدہ جلسہ ہوتا تھا لیکن گذشتہ دو تین سال سے ان کا یومِ وفات ماہ رمضان المبارک میں پڑتا رہا اس لئے جلسے کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

جب یہ کمی محسوس ہوئی تو ہم نے جلسے کا یہ بدل نکالا ہے کہ آئندہ سے اس موقع پر ادبی شخصیات کے کاموں اور کارناموں پر توسیعی خطبات EXTENSION LECTURES کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ ان خطبات کو ہم نے "بابائے اردو یادگار لیکچرز" کا نام دیا ہے۔ اس پروگرام کے مطابق ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ کوئی مناسب موضوع منتخب کرکے اس سلسلہ کا آغاز کردیں۔ انہوں نے ہماری اس تجویز کو مان لیا اور اپنے خطبہ کے لئے "محمد تقی میرؔ" کو منتخب کیا۔ آج کا خطبہ اسی موضوع پر پیش کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ بھی میری طرح اس خطبہ سے محظوظ و مستفید ہوتے ہوں گے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب دورِ حاضر میں اردو کے مستند اور مشہور محقق و نقاد ہیں جن کی تصانیف نے اردو زبان و ادب کا وقار و مرتبہ بلند کیا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ وہ انجمن ترقی اردو سے بھی اعزازی طور پر وابستہ ہیں۔

میں جالبی صاحب کے منتخب کئے ہوئے موضوع کو اس موقع کے لئے نہایت

موزوں اور مناسب سمجھتا ہوں اس لئے کہ مجھے بابائے اردو اور میر تقی میرؔ میں ایک گونہ مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ جو بات دونوں میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ اُن دونوں کا اندازِ بیان ہے حالانکہ بابائے اردو کے اظہارِ خیال کا ذریعہ نثر ہے اور میر صاحب کا نظم۔ تاہم دونوں کے یہاں سادگی، روانی اور سلاست کا خاص اہتمام رہتا ہے اور اکثر اوقات اُن کے بیان کی سادگی سہل ممتنع کا رنگ اختیار کرلیتی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض پڑھنے والوں کو دھوکا ہونے لگتا ہے کہ ان کے کلام میں کیا خاص بات ہے ایسا تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے لیکن جب کوشش کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا۔ دراصل یہ کوئی اکتسابی چیز نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے اس طرز کو اختیار کرلے بلکہ بقولِ شاعر اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں۔

بہرحال یہ عطیۂ الٰہی تھا جو دونوں کو وافر مقدار میں ملا تھا اور دونوں نے اس کو بڑے سلیقہ اور کامیابی سے استعمال کیا۔ دونوں اپنے اپنے طرز میں منفرد رہے لیکن سادگی و پرکاری دونوں کے کلام کا وصفِ خاص رہا اور اسی وصف نے دونوں میں بڑی مماثلت پیدا کردی۔

غرض آج کے خطبہ کے لئے موضوع کے انتخاب کا ایک جواز تو ان کے طرزِ کلام کی یکسانیت ہے۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود بابائے اردو کو میرؔ صاحب اور ان کے کلام سے خاص لگاؤ تھا۔ ویسے تو انہوں نے اپنی حیاتِ دُنیوی میں بہت کچھ کیا اور مختلف موضوعات پر لکھا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو ان کی زندگی عبارت ہے اردو کی خدمت سے لیکن میرؔ کی جانب ان کی توجہ کچھ زیادہ ہی رہی۔ غالباً ہم مذاقی نے یہ کیفیت پیدا کردی تھی۔ وہ اپنے لئے سادگی کو پسند کرتے تھے اور دوسروں کے کلام کی سادگی کو بھی سراہتے تھے۔ میرؔ کے کلام میں ان کو یہ خوبی زیادہ دکھائی دی اس لئے ان کا رجحانِ طبع میرؔ کی جانب زیادہ ہوگیا۔ انہوں نے میرؔ کی خود نوشت سوانح عمری "ذکرِ میرؔ" کو ایک معلومات افزا مقدمہ کے ساتھ ترتیب

دے کر شائع کرایا۔ پھر نکات الشعرا پر ایک گرانقدر مقدمہ لکھ کر اس کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔ ان دونوں کے علاوہ ایک قابلِ قدر کام یہ کیا کہ میرؔ کے کلام کا ایک اعلیٰ درجہ کا انتخاب اردو داں طبقہ کے لئے مرتّب کیا۔ میر کے کلام کے بارے میں مشہور ہے کہ "پستش بغایت پست و بلندش بسیار بلند"۔ بابائے اُردو نے اس مقولے کی روشنی میں ضروری سمجھا کہ میرؔ کے پست کلام کو علیحدہ کر کے لوگوں کو ان کے بلند کلام کی لطافتوں سے آگاہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے گھونگوں، سیپیوں کے موتیوں کے انبار میں سے وہ تمام گوہرِ آبدار چن کر یکجا کر دیئے جو آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دیں اور لوگوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ میر صاحب جب بلندی کی جانب مائل ہوتے ہیں تو وہ ہمیں واقعی لطیف ترین جذباتِ انسانی سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔

بہرحال یہ باتیں تو میں نے اس ضمن میں اس لئے بتائیں کہ آج کے توسیعی خطبہ کا موضوع بابائے اردو کے اس یادگاری جلسہ کے عین مطابق ہے۔ اب میں بابائے اردو اور میر تقی میرؔ کے بارے میں چند باتیں بتا کر یہ حقیقت آشکارہ کرنا چاہتا ہوں کہ دونوں ہی نے عروسِ اردو کی پوری طرح مشاطگی کی ہے اور اس کے عارض اور گیسوؤں کو بنانے سنوارنے کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

بابائے اردو نے اس زبان کی جو خدمت کی وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ اردو زبان کی تاریخ میں ہمیں اُن کے مثل کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا۔ انہوں نے اردو کی خدمت کو نصب العین حیات بنا لیا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہے اردو کو ترقی دینے اور ملک کے ہر گوشے میں مقبول بنانے کی کوشش کرتے رہے انہوں نے تحقیق کر کے اردو کے پُرانے دفینوں کو نکالا اور ان کی اشاعت سے لوگوں کو اس زبان کی قدامت اور وسعتوں کا احساس دلایا۔ انہوں نے اپنی نظر کو ماضی کی تلاش تک ہی محدود نہیں کر لیا بلکہ اس کے مستقبل کے لئے بھی امکانات پیدا کئے۔ خود بہت سا ادب تخلیق کیا اور دوسروں سے تخلیق کرایا۔ اردو زبان کو اُن علاقوں تک وسیع کر دیا جہاں کے لوگ اس سے قطعاً ناآشنا تھے۔ وہ خود ایک سادہ اور

شگفتہ تحریر کے مالک تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے کہ اسی طرز کو اپنائیں تاکہ یہ زبان صرف ایک خاص طبقہ تک محدود نہ رہے بلکہ عوام کے دلوں میں بھی گھر کر لے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو زبان عام فہم اور ابلاغ کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی اور اس زبان کے مخالفین تک بھی اس کو اپنائے بغیر نہ رہ سکے۔ اردو زبان کی اس بے مثل خدمت کی وجہ سے اُن کو یہ عظمت حاصل ہوئی کہ قوم نے انہیں بابائے اردو کہا اور یہ خطاب اُن ہی کے لئے مخصوص ہو گیا۔

جہاں تک میر تقی میرؔ کا تعلق ہے وہ اس زمانہ میں پلے اور بڑھے جب اُردو شاعری ابہام گوئی کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس دور کے شعرا اسی طرز کو اپنے لئے طرّۂ امتیاز اور قابلیت سمجھتے تھے۔ مرزا جانجاں مظہرؔ پہلے فرد تھے جنھوں نے اردو شاعری کو اس چکّر سے نکال کر رواں زبان میں شعر کہنے کو اپنا شعار بنایا اور اُن کے ایما سے اُن کے شاگردِ رشید انعام اللہ خاں یقینؔ نے اس کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ لیکن مرزا مظہرؔ اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے اس طرز کو آگے نہ بڑھا سکے اور یقینؔ اپنی جوانمرگی کے باعث اپنی سعی و کوشش میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ اُسی دور میں میرؔ اور سوداؔ اردو شاعری کے سپہرِ بریں پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور قدرت نے ان دونوں کو کام کرنے کا موقع دیا۔ سوداؔ نے اپنی ذہانت اور طبّاعی سے اردو زبان اور اردو شاعری کو ایک نیا قالب اور نیا آہنگ دیا اور ان کو وسعتوں اور رفعتوں سے ہم کنار کیا۔ میر تقی میرؔ نے اپنے شاعرانہ مزاج کی بناء پر ایک ایسے طرز کو جنم دیا جو زبان کے اعتبار سے صاف، سادہ اور دلنشین تھا اور موضوع کے لحاظ سے جذباتِ لطیف کا آئینہ دار۔ ان کی طبیعت میں قدرت نے جو گداز رکھا تھا اور اُن کی زندگی جس درد و الم سے بھری ہوئی تھی اُس نے اُن کی شاعری کو بھی سوز و گداز کا ایک پُر کیف مرقع بنا دیا۔ انہوں نے عشق کی واردات، ہجر و وصال اور درد و اثر کی کیفیات کو اپنے کلام میں پوری طرح سمو دیا۔ وہ صنفِ غزل کو اس کے صحیح مزاج اور حسن و لطافت کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

تغزل جو شاعری کی جان ہے اُن کے کلام میں پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ
گر ہوا اور لوگوں نے انکو بجا طور پر شہنشاہ متغزلین کے معزز لقب سے یاد کیا۔
ان کی اس حیثیت کو اردو کے تمام بڑے بڑے شعرا نے تسلیم کیا۔

ان الفاظ کے ساتھ اب آخر میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا شکریہ ادا کرتا ہوں
کہ انہوں نے ایک ایسے اہم اور دلچسپ موضوع کو اپنے توسیعی خطبہ کے لئے منتخب
کر کے اس کے متعلق ایسا قیمتی مواد پیش کیا جس سے ہماری معلومات میں نہ صرف
گرانقدر اضافہ ہوا بلکہ میر کے تعلق سے بہت سے بالکل نئے گوشے بھی سامنے آ
میں تمام حاضرین کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ تعطیل کے دن اس خطبہ کو سماعت فرما
کے لئے یہاں تشریف لائے اور ان خطبات سے ہمارا جو مقصد ہے اس کو پورا کر
میں ہمارے ساتھ تعاون کیا۔

(اگست ۱۹۸۰ء)

پہلا

بابائے اُردو یادگار لیکچر

کراچی

۲۹، اگست ۱۹۸۰ء

از

ڈاکٹر جمیل جالبی